مولانا عوام دوست

حق و باطل میں تفریق......دینِ اسلام کا امتیاز!

دورِ حاضر میں رواداری، اعتدال پسندی اور سولائیزیشن (مادی تہذیب کی بالادستی) کے نام پر اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کا ایک منظّم سلسلہ چل نکلا ہے، مقامِ حیرت تو یہ ہے کہ ایسی آوازوں کی ہم نوائی ان جگہوں سے ہو رہی ہے جن کے روحِ رواں کبھی حق کا سرچشمہ اور وہاں کے مکین خیر کا پیش خیمہ ہوتے تھے۔ اور اس فتنے کے پشت پناہ ایسے خانوادے ہیں جن کے اکابر حق گوئی میں ''لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ'' کی عملی تصویر تھے۔

آج ہمارا واسطہ جہاں ''کفریہ'' سیاسی استبداد سے ہے وہیں دین کے نام پر ترویج پانے والی ایسی ''بد دینی'' سے بھی ہے جو خود کو مادہ پرستی، مغربی فلسفۂ زندگی اور ملحد معاشرے اور نظامِ بدی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اسلام کے حقیقی تصور کو مسخ کرنے کے درپے ہے۔ اس لادینیت کا انتہائی ہدف تو اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح ذاتیات کے شکنجے میں کسنا ہے، مگر یہ لوگ حق و باطل میں تمیز کے واضح شرعی احکامات کے برملا انکار کی گنجائش نہ پا کر تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لیتے ہوئے اسلام کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔

ایسے لوگ کبھی تو فتنہ کے سدِّ باب کے شرعی طریقوں کے برعکس جمہوری پالیسیوں کے رواج میں مگن دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ''اخلاقِ دینی'' کو ''حقوقِ شیطانی'' سے خلط ملک کرنا اُن کا وطیرہ ہوتا ہے۔ کبھی تصلب فی الدین کو انتہا پسندی کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں اور کبھی ''وحشتِ ظالمانہ'' پر آنکھیں موند لینا ان کی کمائی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ان کی اس ملحدانہ دوڑ دھوپ کا ماحصل چند ٹکوں یا مراعات کے عوض اُمّتِ مسلمہ کو درپیش موجودہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی ترغیب دینا اور ان کا مطمحِ نظر چند اوباشوں کی وضع کردہ سیاسی و سماجی بساط سے سرِ مو انحراف کرنے والی ہر کوشش کا رد کرنا ہے۔

وہ عوام و خواص میں اس بات کا رسوخ چاہتے ہیں کہ موجودہ پر حالات پر سمجھوتہ کرتے ہوئے یہ بات پلّے باندھ لیں کہ ان سے نکلنے کا کوئی طریقہ و علاج نہیں ہے۔ اگر کوئی علاج ہے بھی تو وہی جو مغربی ٹکسال سے ڈھل کر آتا ہے، یعنی سرمایہ دارانہ نظام کی بد باطنی اور اشتراکیت کی چیرہ دستی کے جس ''جمہوری نسخے'' کے استعمال سے انسانیت نڈھال پڑی ہے، اسے ہی بطور دوا استعمال کیا جائے۔ یہ طبقہ عوامی فلاح و بہبود کے ضامن ''اسلامی نظامِ خلافت'' کی واپسی کی طرف جانے والا ہر راستہ روک کر ہمیشہ کی محکومی و غلامی کا طوق اُمّت کے گلے میں ڈالنا چاہتا ہے۔

ان کی شدید خواہش ہے کہ غلبۂ دین کی فکر رکھنے والوں کو سیاسی و سماجی دباؤ، عسکری سرکوبی اور ابلاغی بے ہودگی

کے ذریعے نیست و نابود کر کے یاس و ناامّیدی کو اُمّتِ مظلومہ کے اذہان و ارواح میں گھسیڑ دیا جائے۔

یقیناً ہم ایک ایسے الحاد و ارتداد کی زد میں ہیں جس نے عالمِ اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، جو رنگ و روپ میں تو اسلامی دکھائی دیتا ہے مگر نتیجہ و فکر میں نفسانی ہے۔

لیکن مقامِ عبرت تو یہ ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے باوجود ہم عملاً اسی ''بے دینی'' کا شکار ہیں، جو آئے دن اسلامی روح کو کچوکے لگا رہی ہے۔ کسی عامی کو تو رہنے دیجیے! دانش ورانِ وقت بھی اسلام کے دوبارہ غلبہ کے بارے میں مایوسی کا شکار ہیں، ان کی خود پر طاری بے بسی دیدنی ہوتی ہے، تبدیلی کا سوچنا تو درکنار انقلاب کے تصور سے بھی وہ لرزہ بر اندام ہو رہے ہوتے ہیں۔

شاید اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہزار ہا آزمائشوں اور کفار کی بہیمانہ یلغار کے باوجود ایسا دور آیا ہو کہ اُمّت مسلمہ بالخصوص اہلِ علم طبقہ اسلام کی حقانیت اور اسے بطور نظامِ زندگی لاگو کرنے کی کوششوں کے حوالے سے اتنی زیادہ فکری پسماندگی کا شکار ہو کر مسلمانوں کی دوبارہ اُٹھان اور کفر یہ معاشرے سے الگ تھلگ پہچان کو بھلا بیٹھا ہو۔

دور مت جایئے! برّصغیر میں اسلامی سلطنت کے زوال اور انگریزوں کے غاصبانہ قبضے، خصوصاً ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں ناکامی کے بعد جن مشکل ترین حالات سے اہلِ حق دوچار ہوئے تھے اور جس ظلم و سربریت کا شکار ہوئے تھے ان پر ہی نظر ڈال لیجیے! کیا کبھی کسی نے سنا کہ ہمارے اکابر نے کفر یہ عمل داری کو تہِ دل سے قبول کر لیا تھا؟ یا چند مذہبی آزادیوں کے بدلے میں غلبۂ دین کی تحریک سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اور افسوس تو اس پر ہے کہ موجودہ فضا میں جو شخص بھی کسی اہم قضیے پر قلم اُٹھاتا ہے جو اللہ کے دشمنوں کو چبھتا ہو، خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف ہو، اس میں کسی ناپاک فتنے کو دبانے کوشش کی گئی ہو، مسلم معاشرے پر حاوی منافقانہ تسلط کا چہرہ دکھایا گیا ہو، یا کسی دشمنِ اسلام کی بدعنوانیوں کی بازگشت ہو تو بلا امتیازِ حق و باطل اپنے ہی اسے مفسد اور مفتن قرار دے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت ہی حق و باطل میں تفریق پر قائم ہے اور یہی تفریق دین کے امتیازات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا. (الفرقان)

بڑی عالی شان ہے وہ ذات جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی، تا کہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''

حق پرستی کا تقاضا تو ہے کہ ہم اللہ کے دوستوں کو اپنا دوست اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھیں اور اسلام کے خالص معاشرتی نظام پر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے تیشے نہ چلائیں۔ خصوصاً علماءِ کرام کا فرض بنتا ہے کہ وہ کافر پر کفر کا

حکم، ملحد وفاسق پر الحاد وفسق کا حکم اور قرآن وحدیث کی نصوص کی رو سے اسلام سے خارج فرقہ پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم بیان کرنے میں سوائے اللہ پاک کی خوش نودی کے کوئی مصلحت مدنظر نہ رکھیں۔

مگر ہائے افسوس! کہ آج ہم اللہ کا در چھوڑ کر منافقین کے ہاں عزت تلاش کرتے پھر رہے ہیں، اپنے اکابر کے کردار کے برعکس ہمارے عمومی طرزِ عمل پر غور کیا جائے تو یہ شعر یہ ہماری حالت پر سوفیصد صادق آتا ہے:

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی
اسی پہ ضرب پڑی جو شجر پرانا تھا

حالانکہ ہمارے اکابر کا طرزِ زندگی اور قربانیاں حق گوئی و بے باکی کی لازوال داستانیں رقم کیے ہوئے ہے۔ ان کی شاندار تاریخ کا مطالعہ کم از کم علماء کے لیے تو حقیقی مطلوب ومقصود ''اعلاء کلمۃ اللہ'' کے حصول تک عیش وعشرت کا تصور ہی معدوم کرڈالتا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ الہند رحمہ اللہ کی زندگی کو ہی لے لیجیے!

جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ دیوبند لایا گیا اور غسل کے وقت کپڑا ہٹایا گیا تو لوگ رو پڑے۔ جسم میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا اور جگہ جگہ سے جسم کی کھال جلی ہوئی تھی۔ یہ خبر مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو وہ بھی رو پڑے اور فرمایا:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تاکید کی تھی کہ یہ راز فاش نہ کرنا! بات یہ تھی کہ مالٹا کے تہہ خانے میں انگریز افسر لوہے کی سلاخ کمر پر مارتا تھا کہتا تھا محمود حسن انگریز کے حق میں فتویٰ دو، مولانا کو جب ہوش آتا تو فرماتے ''میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں، جسم پگھل سکتا ہے میں انگریز کے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا'' (۱)

ایک انگریز ٹامسن کا بیان ہے! ''دلّی کے چاندنی چوک سے پشاور تک درختوں پر علماء کی گردنیں، جسم لٹکے ہوئے ملتے تھے۔'' اسی مؤرخ نے لکھا ہے! ''روزانہ اسّی (۸۰) علماء پھانسی پر لٹکائے جاتے تھے۔''

ٹامسن کا یہ دردناک بیان بھی سنیے!

''میں دلّی کے ایک خیمے میں بیٹھا تھا، مجھے گوشت کے جلنے کی بو آئی، میں نے خیمے کے پیچھے جا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں آگ کے انگاروں پر تیس چالیس علماء کو ننگا کر کے ڈالا جا رہا ہے پھر دوسرے ۴۰ لائے گئے انھیں ننگا کیا گیا۔

ایک انگریز نے کہا! اگر تم انقلاب ۱۸۵۷ء میں شرکت سے انکار کر دو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ٹامسن قسم کھا کر کہتا ہے! سارے علماء جل کر مرتے گئے، مگر کسی ایک نے بھی انگریز کے سامنے گردن نہیں جھکائی۔ (۲)

انگریزوں کا یہ جَور واِستبداد جیل، سولی، پھانسی، قید وبند، کالا پانی، جائیداد، مکانوں کا لوٹنا، جلانا، ضبط کرنا سب جاری تھا مگر

ان کے جذبۂ حریت اور قدموں کو کبھی لغزش نہ آئی۔ حقیقت حال تو خدا ہی کے علم میں ہے، مگر مؤرخین کے اندازے کے مطابق ۲۰ لاکھ بہادر جاں بازوں کو مختلف وحشت ناک طریقوں سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ (۳)

ہم ان قربانیوں کی قدر کیا جانیں؟ ہم تو آج ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جہاں دین کے لیے قربانی دینے والے، ملک وملت کے لیے جانیں پیش کرنے والے، پھانسیوں پر لٹکائے اور فاسفورس بموں سے جلائے جانے والے لوگ جذباتی اور احمق کہلائے جاتے ہیں۔ جبکہ آسائشوں کے دلدادہ اور حکومتی مراعات کے حصول یافتہ عقل مند بتلائے جاتے ہیں۔ وفادار غدار اور جفا کار انصار بنے بیٹھے ہیں۔

لہذا دورِ حاضر میں اس بات کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کہ کسی لالچ اور دنیاوی مصلحت کی پرواہ کیے بغیر دین کو اصلی حالت میں برقرار رکھا جائے جو ہمارے بزرگوں کی تھی۔ وقتی ضروریات اور بھاری بھرکم شخصیات کو دیکھنے کی بجائے پرانوں کے نقشِ قدم پر چلا جائے انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب آزمائشوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور حق کا بول بالا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کہنے، سمجھنے اور اس سے چپکے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم پر کوئی دن ایسا نہ لائے جس میں ہمارا میلان باطل کی طرف اور باطل کا جھکاؤ ہماری طرف ہو۔ آمین

حواشی

۱۔ رسالہ جنگ آزادی کے کچھ واقعات، انصار احمد قاسمی، محمد شمیم ہاشمی، کریلی الٰہ آباد

۲۔ ایضاً

۳۔ یہ تفصیلات ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ: ۱، جلد: ۹۷، ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ مطابق جنوری ۲۰۱۳ء سے اخذ کی گئی ہیں۔

☆......☆......☆

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501